''تصوف'' کیا ہے؟!

مولانا گل رئیس نقشبندی

جامعہ دارالہدیٰ (مرکزی) بنوں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ہم حضور پاک ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک اجنبی شخص آیا اور حضور پاک ﷺ سے سوالات شروع کیے، بالترتیب پوچھا:

۱:۔''مَاالْإِیْمَانُ؟'' ایمان کیا ہے؟ ۲:۔''مَاالْإِسْلَامُ؟'' اسلام کیا ہے؟

۳:۔''مَاالْإِحْسَانُ؟'' احسان کیا ہے؟

حضور پاک ﷺ نے سوالوں کے جوابات دیئے، تو ہر جواب کے آخر میں سائل ''صَدَقْتَ'' کہتا، جو ہمارے لیے باعثِ حیرت تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مہمان چلا گیا تو حضور پاک ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے عمر! تمہیں معلوم ہے یہ سائل کون تھا؟ میں نے عرض کیا کہ: اللہ اور اس کے رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

''فَإِنَّهٗ جِبْرَائِیْلُ اَتَاکُمْ یُعَلِّمُکُمْ دِیْنَکُمْ.''

ترجمہ: ''یہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے، تمہیں تمہارا دین سکھانے کے لیے آئے تھے۔''

یہ سوالات وجوابات حدیث جبرئیل علیہ السلام کے نام سے معروف ہیں۔ حضور پاک ﷺ کے غلبۂ ہیبت کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سوالات کرنے کی جرأت بہت کم ہوتی تھی، تعلیمِ حقائقِ دینیہ کو جاننے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو انسانی شکل میں بھیجا، تاکہ وہ سوال کریں اور معلمِ کائنات ﷺ جواب میں گوہر افشانی فرمائیں اور اس انداز سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دامن، علمی جواہر پاروں سے بھر جائے۔

محدثین کرامؒ فرماتے ہیں کہ: حدیثِ جبرائیلؑ میں دین کے تین بنیادی احکامات کی تصریح کی گئی، پہلے احکامات وہ ہیں، جن کا تعلق خالص عقیدے کے ساتھ ہے، ان کو احکامِ نظریہ کہتے ہیں۔ دوسری قسم کے احکامات وہ ہیں، جن کا تعلق ظاہری اعمال کے ساتھ ہے، ان کو احکامِ فرعیہ کہتے ہیں اور تیسری قسم

کے احکامات وہ ہیں، جن کا تعلق باطنی اعمال کے ساتھ ہے، ان کو علم الاحسان کہا جاتا ہے۔ یوں چند جملوں میں پورے دین کا خلاصہ حضور پاک ﷺ نے پیش کیا اور اس حدیث کو محدثین کرامؒ نے ''جوامع الکلم'' میں سے شمار کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی شخصیت انتہائی جامعیت کی حامل تھی، آپ ﷺ نے دین کے ان تینوں حصوں کی کما حقہ تشریح اور اشاعت کی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی جامعیت کی شان کافی حد تک تھی، لیکن زمانۂ خیر القرون گزرنے کے بعد جامعیت میں بھی کمی آتی گئی، اس لیے علماء امت نے دین کی حفاظت وخدمت کے لیے ان شعبوں کو تین مستقل علیحدہ علیحدہ علوم میں مدون کردیا:

① .....تصحیحِ عقائد کے سلسلہ میں کتاب وسنت میں جو ہدایات دی گئیں، ان کی حفاظت وخدمت کے لیے ''علم الکلام'' مدون ہوا۔

② .....اعمالِ ظاہرہ کے متعلق جو رہنمائی کتاب وسنت نے کی تھی، اس کی تشریح کے لیے ''علم الفقه'' کو مدون کیا۔

③ .....اصلاحِ باطن کے متعلق جو باتیں کتاب وسنت نے بتائی ہیں، ان کی تفصیلات کے لیے ''علم الإحسان، علم الأخلاق'' یا ''علم التصوف'' مدون ہوا۔

یہ تینوں علوم قرآن وسنت سے کوئی الگ چیز نہیں، بلکہ کتاب وسنت کی روح اور ان کے ثمرات ہیں۔

حدیث جبرائیلؑ کی رو سے ''علم الإحسان'' دین کا ایک اہم شعبہ ہے، جو زمانۂ حاضرہ میں ''علم التصوف'' کے نام سے زیادہ معروف ہے۔ اس میں انسان کے دل اور نفس کو پاک اور صاف کرکے اس کی اصلاح کی جاتی ہے، تاکہ اللہ کا دھیان اور رضا حاصل ہوجائے۔ اس اصلاح کے دو اجزاء ہیں:

①:- ظاہری اصلاح ②:- باطنی اصلاح

ظاہری اصلاح سے مراد یہ ہے کہ ظاہری اعضاء سے صادر ہونے والے گناہ جیسا کہ جھوٹ، غیبت، چوری، زنا وغیرہ چھوٹ جائیں اور عبادات، معاملات اور معاشرت یعنی زندگی کے ہر شعبے میں اچھی صفات اپنا کر مکمل دین پر عمل ہونے لگے۔

باطنی اصلاح سے مراد یہ ہے کہ عقائد درست ہوجائیں، اللہ کی ذات اور صفات پر ایمان مضبوط ہوجائے، دل ونفس کے گناہ اور بری صفات جیسے: حسد، بغض، کینہ، ریا اور تکبر وغیرہ کی اصلاح ہوجائے اور اللہ کی محبت اور اچھی صفات مثلاً: عاجزی، اخلاص، صبر، شکر، توکل، تسلیم ورضا اور خوفِ الٰہی وغیرہ حاصل ہوجائے۔ اکابرینِ اسلاف نے انہی اوصافِ جمیلہ کو اپنانے اور اوصافِ مذمومہ سے

دامن بچانے کو ''علم التصوف'' کا مقصد بتایا ہے۔

''رسالہ قشیریہ'' میں ابو محمد جریری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''تصوف ہر اعلیٰ خُلق میں داخل ہونے اور ہر ذلیل خُلق سے نکلنے کا نام ہے۔''(۱)

حضرت محمد بن علی القصاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''تصوف اُن کریمانہ اخلاق کا نام ہے جو کسی کریم زمانہ میں کسی کریم انسان سے شریف لوگوں کے سامنے ظہور پذیر ہوں۔''(۲)

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''تصوف، شریعت پر اخلاص سے عمل کرنے کا نام ہے۔''(۳)

حضرت محمدؒ بن علی بن حسین بن علیؓ بن ابو طالب فرماتے ہیں کہ:

''تصوف اچھے اخلاق کا دوسرا نام ہے، جو اچھے اخلاق میں تجھ سے زیادہ ہے وہ تصوف میں زیادہ ہے۔''(۴)

حضرت احمد خزویہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''تصوف، باطن کی گندگی اور کدورتوں سے پاکیزگی حاصل کرنے کا نام ہے۔''(۵)

حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''تصوف اچھے اخلاق کے مجموعہ کا نام ہے۔''(۶)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''تصوف کی ابتداء ''إنما الأعمال بالنيات'' (بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے) اور انتہاء '' أن تعبد الله كأنك تراه'' (یہ کہ اللہ کی عبادت ایسا کرے کہ گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے) ہے۔''(۷)

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''تصوف یہ ہے کہ اللہ کو عبادت سے، رسول اللہ ﷺ کو اطاعت سے اور مخلوقِ خدا کو خدمت سے راضی کرو۔''(۸)

اکابرین کرامؒ کی تعریفات سے تقریباً یہی بات ثابت ہوتی ہے، جو تمہید میں نتیجہ کے طور پر عرض کی گئی، لہٰذا تصوف کوئی نئی یا اچھوتی چیز نہیں، بلکہ نفس وقلب کی اصلاح کر کے تمام ظاہری اور باطنی گناہوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا اور اخلاقِ حمیدہ سے متصف ہونے کا نام ہے۔

کوئی بندۂ خدا نہیں چاہتا کہ وہ لوگوں کے دلوں میں رہے، کیونکہ حسنِ اخلاق ہی کی بدولت انسان

دوسروں کے دلوں میں اپنا مقام بنا سکتے ہیں، اللہ رب العزت بھی انسان سے یہی چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

''وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ۔''

ترجمہ: ''اور ظاہری گناہ اور پوشیدہ گناہ سب چھوڑ دو۔''(۹)

صاحبِ تفسیر خازنؒ اس آیتِ کریمہ کی تشریح میں فرماتے ہیں:

''اَلْمُرَادُ بِظَاهِرِ الْاِثْمِ اَفْعَالُ الْجَوَارِحِ وَ بَاطِنَهٗ اَفْعَالُ الْقُلُوْبِ.''(۱۰)

ترجمہ: ''ظاہری گناہ سے مراد اعضاء و جوارح کے اعمال اور باطنی گناہ سے مراد دل کے اعمال ہیں۔''

ظاہری اور پوشیدہ گناہ چھوڑنا تصوف کا مقصد ہے۔

اب قاری کے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تصوف ہم کس طرح حاصل کریں گے کہ ہمیں یہ مطلوبہ نتائج مل جائیں، تو اس کے لیے بھی شریعت کے واضح اصول موجود ہیں۔ جس طرح حضور ﷺ نے حدیث جبرائیلؑ میں دین کے بنیادی شعبوں کو بیان کیا ہے، بالکل اسی طرح مختلف موقعوں پر ان کی تفصیل بھی بیان فرمائی ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دنیا میں جتنے بھی دینی و دنیاوی علوم ہیں، ان کے سیکھنے کے لیے استاذ کے سامنے زانوئے تلمذ اختیار کرنا ضروری ہوتا ہے، دینی مدارس اور عصری تعلیمی اداروں کا قیام اسی واسطے عمل میں لایا جاتا ہے کہ وہاں پر اساتذہ کرام سے مدارس کی چار دیواری میں دینی و دنیاوی علوم کے متلاشی حضرات علم حاصل کرسکیں، بالکل اسی طرح علمِ تصوف سیکھنے کے لیے بھی شیخ کامل کے پاس جانا ضروری ہوتا ہے۔ شیخ (مرشد) جہاں پر سالکین کی تربیت کرتے ہیں، اس جگہ کو ''خانقاہ'' کہا جاتا ہے، خانقاہ میں شیخ کے ساتھ مرید ایک عہد و پیمان کرتا ہے، جس کو تصوف کی اصطلاح میں ''بیعت'' کہا جاتا ہے۔ یہ بیعت ''بیعتِ توبہ'' کہلاتی ہے۔ مرید جب شیخ کے پاس بیعت کے لیے جاتا ہے تو مرید شیخ کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر یہ عہد کرتا ہے کہ میں پچھلے تمام گناہوں سے توبہ تائب ہوتا ہوں اور آئندہ نیکوکاری کی زندگی اختیار کروں گا اور شیخ (مرشد) یہ عہد کرتا ہے کہ مرید کو اللہ تعالیٰ کے احکام اور حضور پاک ﷺ کی سنتوں کے مطابق زندگی گزارنا سکھاؤں گا۔ یہ ایک سنت عمل ہے اور حضور پاک ﷺ سے ثابت ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حضور اکرم ﷺ سے چار طرح کی بیعت ثابت ہے:

① :- بیعتِ اسلام ② :- بیعتِ جہاد

③ :- بیعتِ ہجرت ④ :- بیعتِ توبہ (بیعتِ طریقت)

تصوف میں بھی بیعت توبہ کرائی جاتی ہے، اس بیعت کا ثبوت بھی قرآن وسنت سے ملتا ہے، اللہ

رب العزت اپنے پیارے حبیب ﷺ کو فرماتے ہیں:

''یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰۤی اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْـًٔا وَّ لَا یَسْرِقْنَ وَ لَا یَزْنِیْنَ وَ لَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔''(۱۱)

ترجمہ: ''اے پیارے نبی! جب مؤمن عورتیں آپ کے پاس آئیں بیعت کرنے کے لیے اس بات پر کہ اللہ کے ساتھ شرک نہیں کریں گی اور چوری نہیں کریں گی اور بدکاری نہیں کریں گی اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی اور تہمت نہیں لگائیں گی اور کوئی بھی گناہ نہیں کریں گی تو اُن کو بیعت کر لیجیے اور ان کے لیے استغفار کیجیے، اللہ ان کے گناہوں کو معاف کر دیں گے۔''

عورتوں کی بیعت کا ذکر قرآن عظیم الشان میں ہے اور مردوں کی بیعت کا ذکر انہی الفاظ کے ساتھ بخاری شریف میں ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: ''نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کہ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت ساتھ تھی، تم مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ آج کے بعد اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے، چوری نہیں کرو گے، بدکاری نہیں کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے، ایک دوسرے پر بہتان نہیں لگاؤ گے اور کوئی بھی گناہ نہیں کرو گے، پس جس نے اس بیعت میں وفا کی، اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے اور جس نے اس میں کوئی کوتاہی کی اور دنیا میں اس کو سزا مل گئی تو یہ اس کا کفارہ ہے اور اگر دنیا میں سزا نہ ملی، بلکہ اللہ نے پردہ رکھا تو اس کا معاملہ اللہ پر ہے، چاہے تو معاف کر دے اور چاہے تو سزا دے، پس ہم نے بیعت کر لی۔''(۱۲)

حضور پاک ﷺ کے اس عمل کی اتباع میں مشائخِ تصوف خانقاہوں میں اپنے مریدین سے یہی بیعتِ توبہ کراتے ہیں۔ بیعت کا اصل مقصد یہ ہے کہ شریعت کے احکام پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے۔ اس کے علاوہ بیعت کا مقصد نہ کشف و کرامات کا حاصل ہونا ہوتا ہے، نہ دنیاوی کاموں میں کامیابی ضروری ہے، نہ ہی یہ کیفیت کہ گناہ کا خیال ہی نہ آئے اور نہ ہی عمدہ خوابوں کا نظر آنا ضروری ہے، بلکہ اصل مقصد تو شریعت کے احکامات پر چل کر اللہ کو راضی کرنا ہے۔

بیعت طریقت کرنے سے انسان کو اپنے مشائخِ سلسلہ کے واسطہ سے نبی اکرم ﷺ کے قلبِ مبارک سے ایک روحانی تعلُّق نصیب ہو جاتا ہے۔ اب یہاں ایک سوال ذہن میں آتا ہے کہ ''علم التصوف'' کے راستے میں شیخ، مرشد یا پیر کی کیا ضرورت ہوتی ہے؟ کیا خود سے یہ راستہ عبور نہیں کیا جا سکتا ہے؟ تو اس کے لیے یاد رکھیے کہ ہر دور اور ہر زمانے میں انسانیت کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے کتاب اللہ اور رجال اللہ کو ذریعہ بنایا۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کو مبعوث فرمایا، مگر

کتاب نہیں بھیجی، لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کتاب بھیج دی ہو اور نبی کو نہ بھیجا گیا ہو، اس سے رجال اللہ کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کسی قوم پر عذاب اس وقت تک نازل نہیں ہوا، جب تک اتمامِ حجت کے لیے نبی کو نہ بھیجا گیا ہو۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔''(۱۳)

ترجمہ: ''اور ہم (کبھی) سزا نہیں دیتے، جب تک کسی رسول کو نہیں بھیج لیتے۔''

یہ اس لیے کہ ہر انسان کو اپنی تربیت کے لیے مُربی اور تزکیہ کے لیے مُزکی کی ضرورت ہوتی ہے۔ سورۃ المائدہ میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ۔''(۱۴)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کا قرب ڈھونڈو۔''

اس کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اَلْوَسِيْلَةُ هِيَ الَّتِيْ يَتَوَصَّلُ بِهَا إِلٰى تَحْصِيْلِ الْمَقْصُوْدِ۔''(۱۵)

ترجمہ: ''وسیلہ سے مراد وہ ہے جو آپ کو مقصود سے واصل کردے (ملا دے)۔''

صاحب جلالینؒ فرماتے ہیں کہ:

''مَا يُقَرِّبُكُمْ إِلَيْهِ مِنْ طَاعَةٍ'' یعنی جو آپ کو طاعت کے قریب کردے، لہٰذا مفسرین کرام کا فرمان ہے کہ ''الوسیلة'' سے مرشد مراد ہے، جو اللہ تعالیٰ کے قرب اور انسان کی اصلاح کا سبب بنتا ہے۔ ایک دوسری جگہ سورۃ التوبۃ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔''(۱۶)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔''

اس آیت کی تشریح میں مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس جگہ قرآن کریم نے علماء وصلحاء کی بجائے صادقین کا لفظ اختیار فرما کر عالم وصالح کی پہچان بتلا دی کہ صالح صرف وہی شخص ہوسکتا ہے جس کا ظاہر و باطن یکساں ہو، نیت وارادے کا بھی سچا ہو، قول کا بھی سچا ہو، عمل کا بھی سچا ہو۔(۱۷)

صاف ظاہر ہے کہ آج کے دور میں صادقین کا مصداق مشائخِ عظام ہی ہیں، کیونکہ تصوف وسلوک کے راہی میں ہی یہ اوصاف جمع ہوسکتے ہیں۔ ایک بزرگ ایک عقلی دلیل سے مزید یہ بات سمجھاتے ہیں: ایک طالب علم کمرۂ امتحان میں بیٹھا پرچہ حل کررہا ہوتا ہے، تو وہ اپنے گمان میں ہر سوال کو ٹھیک حل کرتا ہے (اگر اُسے پتہ ہو کہ میں فلاں غلطی کررہا ہوں تو وہ کرے ہی کیوں؟)۔ جب طالب علم کا پرچہ استاذ کے ہاتھ میں آتا ہے تو وہ بعض جوابات کو ٹھیک قرار دیتا ہے اور بعض کو غلط، تب طالب علم تسلیم کرتا

ہے کہ اس سے غلطی ہوئی۔ اسی طرح سالک بھی اپنے زعم میں تحدیثِ نعمت سمجھ کر کسی بات کا اظہار کرتا ہے، مگر شیخ کامل پہچانتا ہے کہ یہ عُجب کی وجہ سے ہے۔ سالک اپنے خیال میں سخاوت کی وجہ سے مال خرچ کرتا ہے، مگر شیخ بتاتا ہے کہ یہ اسراف ہے۔ پیر و مرشد کے بغیر گمراہی کے گڑھے میں گرنے کا خطرہ ہوتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ مرشد کے سائے میں زندگی گزار کر سلوک کا راستہ طے کرے، تاکہ سالک (مرید) اپنی غلطی سے آگاہ رہے اور باطنی امراض سے بچتا رہے۔

اب اگر کسی کے ذہن میں یہ بات آجائے کہ شیخ (مرشد) کیسا ہونا چاہیے، تو اس کے لیے ہمارے بزرگوں نے کئی شرائط بیان کی ہیں، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تسہیل قصد السبیل'' میں شیخ کامل کے لیے چھ شرائط اور چھ نشانیاں لکھی ہوئی ہیں، اس کے علاوہ کچھ بزرگوں نے مزید کچھ نشانیاں بتائی ہیں، جن کا لبِ لباب یہ ہے کہ شیخِ کامل وہ ہوتا ہے جو متبعِ شریعت ہو اور جس کی صحبت میں بیٹھنے سے آپ کے دل میں اللہ کی محبت، حضور پاک ﷺ کی محبت، دین کی محبت، قرآن عظیم الشان کی محبت، اعمالِ صالحہ کی طرف رجوع اور اللہ کی طرف رجوع کا شوق پیدا ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ جس کے پاس گئے ہیں، وہ اللہ والا ہے، شیخِ کامل ہے، اس کی صحبت میں بیٹھ کر اپنی اصلاح کروا سکتے ہیں اور سلوک کا راستہ طے کر سکتے ہیں۔

خلاصۂ مضمون یہ ہے کہ تصوف کا مقصد اللہ کی رضا جوئی ہے، اللہ کی معرفت حاصل کرنا ہے، جو کہ ہر انسان سے مطلوب ہے، بلکہ انسان کی تخلیق ہی اسی واسطہ کی گئی کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کے لیے تصوف وسلوک بھی ایک مستند راستہ ہے، جس پر چل کر انسان اپنے منزلِ مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔ اللہ رب العزت ہم سب کو اپنی رضا، اپنی لِقاء اور اپنی یاد والی زندگی نصیب فرمائے۔

حواشی

۱:۔رسالہ قشیریہ، ص: ۴۱۷
۲:۔رسالہ قشیریہ، ص: ۴۱۸
۳:۔تصوف وسلوک، ص: ۱۳
۴:۔حقیقتِ تصوف وسلوک، ص: ۹۶
۵:۔تصوف وسلوک، ص: ۱۲
۶:۔تصوف وسلوک، ص: ۱۲
۷:۔حقیقتِ تصوف وسلوک، ص: ۹۷
۸:۔حقیقتِ تصوف وسلوک، ص: ۹۷
۹:۔سورۃ الانعام، آیت: ۱۲۰
۱۰:۔تفسیر خازن، ج: ۲، ص: ۱۴۶
۱۱:۔سورۃ الممتحنۃ، آیت: ۱۲
۱۲:۔بخاری شریف
۱۳:۔سورۂ بنی اسرائیل، آیت: ۱۵
۱۴:۔سورۃ المائدہ، آیت: ۳۵
۱۵:۔تفسیر ابن کثیر، ص: ۵۴
۱۶:۔سورۃ التوبہ، آیت: ۱۱۹
۱۷:۔معارف القرآن